مولانا شوکت علی، ارمڑ میانہ

آہ! کھویا اِک گوہر نایاب

گذشتہ ماہ بتاریخ ۲۶ فروری بروز بدھ بوقت ۳ بجے سحری میں بسبب جانکا مرض ایک عظیم ہستی، درویش صفت عالم دین، اسلامی افکار ونظریات کا ترجمان، مصنف، ادیب، شیخ الحدیث دیو بند ثانی (دارالعلوم حقانیہ)، مرد قلندر، بندہ کے استاد مربی محسن، چراغ محفل، بحر عمیق ومردِ شفیق حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحبؒ نے دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

ایک غزل خواں بلبل نے نہ صرف بندہ کو بلکہ ہزاروں محبین وسامعین کو گلستانِ آباد سے ایک ویراں بیابان پر چھوڑ دیا۔

آہ! ایک روشن شمع محفل یکا یک بُجھ کر اپنے پروانوں کو تاریک اندھیروں میں چھوڑ دیا۔

بندہ خود کو تسلی دے تو کس طرح؟ اور کیسے یہ غم کسی سے شریک کر کے کم کر دے یا اسے فراموش کر کے بھول جاوے؟ خیالك فی عینی وذکرك فی فمی ومثواك فی قلبی فأین تغیب

اب ایک طرف بندہ کی علمی کمائیگی حد درجہ اور دوسری جانب سانحۂ کبریٰ بھی حد درجہ اونٹ کی بار چیونٹی پر لاد کرانے کے مترادف ہے۔

تو بندہ، ناگفتہ حالت ہو کر اپنے استاد محترم فانی صاحبؒ کی مناقب قلمبند کرنے پر تو قادر نہیں کیونکہ آپکی شخصیت کئی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ بے بسی کے عالم میں بندہ آپ کے بارے اظہار عقیدت کیسے کرے؟

آپ کے حالات و یاداشتیں:

فانی صاحب نے اس چند روزہ زندگی کا آغاز امام المتکلمین صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم زروبوی کے گھر میں آنکھ کھول کر کیا پھر دینی مرکز دارالعلوم حقانیہ سے اول تا آخر اور ۱۹۷۸ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔

مشہور ہم مکتب ساتھیوں میں سے حضرت مولانا مفتی شاہ جہان (حالاً مفتی عرب امارات) شیخ القرآن مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ (حالاً امریکہ)، شیخ الحدیث حضرت مولانا عزیز الدین صاحب ہریانہ بالا پشاور (شیخ الحدیث، مدرسہ حمایت الاسلام غلجی پشاور) اور امیر جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور خطیب اسلام مشہور مصنف وادیب شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب شامل تھے۔

ذہانت و فطانت:

اللہ کریم نے آپکو انتہائی ذہانت بخشی تھی عہد طالب علمی میں نمایاں نمبروں پر فائز ہوتے رہے۔ اس بابت بندہ کو آپ نے روداد سنائی تھی کہ میرے استادمحترم شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ نے میرے خوشنویسی اور درست جوابات دینے پر دادِ تحسین دیتے ہوئے اپنا شاگرد خاص بھی سمجھا۔قدرت نے آپکوقوت حافظہ سے نوازا تھا اکثر تاریخی و ادبی شخصیات کے سوانح وکلیات کے حافظ تھے۔

شخصیت: آپ کی شخصیت علمی، ادبی، سیاسی اور تصنیفی موضوعات کی ایک سوغات تھی جو کہ نہ صرف بندہ بلکہ ایک جمع غفیر آپکے انداز گفتگو، سنجیدگی، طرزِ بیان نشست و برخاست اور عملی تگ و دو سے مذکورہ صفات کی قائل تھی۔

علمیت: قطع نظر ایک علمی خاندان سے تعلق کی بناء پر آپکی ذاتِ مبارکہ خود ایک نمونہ علم وفضل تھی بلکہ آپ ایک بحر بیکراں تھے۔ دارالعلوم حقانیہ جیسی بڑی علمی و عالمی درسگاہ میں آپکی بچپن ولڑکپن سے ہوتے ہوئے ابھی تک درس و تدریس اور پھر بحیثیت شیخ الحدیث کے منصب پر مشرف ہو جانا آپکی علمیت پر واضح دلیل ہے۔

عملی جہادی اور سیاسی زندگی: آپ نے اپنی کل صفات علمیہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے زندگی گزاری یعنی تمام تر دینی شعبوں درس و تدریس، تصنیف، ادب و شاعری، سیاست، تصوف اور جہاد میں آپ عقیدۂ مطہرہ کے آفتاب تھے اور غیروں کیخلاف طوفان بے تاب تھے درس و تدریس اور تصنیف میں دارالعلوم حقانیہ مرہون منت ہے۔ قلمی محاذ پر اسلام کے رکن عظیم جہاد کے سلسلے میں آپ امارت اسلامی کے صف میں انتہائی فخر کے ساتھ ڈٹ کر ساتھ دیتے رہے اور انکے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے چونکہ آپ سیر و سیاحت کے بے حد شوقین تھے تو آپکے واسطے بندہ کی بعض اہم رہنماؤں سے ملاقات ونشست نصیب ہوئی جہاد میں دارالعلوم حقانیہ کا کردار اور امارت اسلامیہ کی وہ مثالی سرگرمیاں ایسے انداز میں ہمیں سناتے جس سے ہماری ذہن وسوچ کو چونکا دیتے۔

علاوہ ازیں حب الوطنی میں اظہار جذبۂ جہاد میں آپکے قلم کی زور تلوار سے بھی زیادہ ثابت ہوئی اس وقت جب دشمن ملک بھارت نے ایٹمی دھماکے کر کے ناپاک جسارت کی تو آپ نے قلم اٹھا کر اخبارات کو ایک مضمون لکھا جس میں آپ نے چند ولولہ انگیز الفاظ تحریر فرمائے کہ! آج ہمارا ایک امتحان عشق حب الوطنی کا اور دوسرا صبر کا ہے اور استشہاد میں علامہ اقبال کا یہ شعر پیش کیا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں
عقل محو تماشائی لب بام ابھی

وہی کالم وزیراعظم نواز شریف کی نظر سے گزرا تو اس نے فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ ہم عشق وجذبہ

حب الوطنی کو ترجیح دیکر انتقام لیں گے۔

ویسا ہی مئی ۱۹۹۸ء میں وطن عزیز نے دشمن کو جواب دیا۔ پھر مزید فانی صاحبؒ نے قلم کو حرکت دیتے ہوئے ڈاکٹر قدیر کو خراج عقیدت کیلئے ایک جوشیلی نظم تحریر کر کے بھیج دی جو آج بھی دارالخلافہ اسلام آباد میں ڈاکٹر قدیر کے کمرے کی زینت بنی ہوئی۔

ادبی زندگی:

علمی فرائض انجام دہی کیساتھ ساتھ عہد طالب علمی سے آپ نے ادب و شاعری میں قدم رکھا جو رفتہ رفتہ ایک بڑے ادیب کی حیثیت سے شمع محفل بنے اگر چہ بوجہ اپنے تخلص ''فانی'' سے قومی و ملکی سطح پر مخفی تھے دوسرا یہ کہ قناعت گوشہ نشینی وفقیری آپکو پسند تھی۔

مجالس:

من حیث المجموع آپ نجی زندگی میں ظاہری طور پر ایک سادہ مزاج اور سادہ لوح نظر آتے لیکن آپکی عام اور ادبی مجالس میں حلاوت و تازگی اتنی رچی بسی تھی کہ ایک صوفی انسان بھی ہنس ہنس کر ترنگ میں آجاتا اور آپکی غزل گوئی سے مچلنا شروع کر دیتا خود بندہ کو اس بارے میں مفتی نظام الدین شامزئی صاحبؒ کی روادار سناتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ! مفتی صاحب ایک موقع پر دارالعلوم آکر دروازے پر دستک دی۔ جب اندر آئے اور مجلس ہوئی جس میں آپ نے مفتی صاحب کو علامہ محمد اقبالؒ کے نظم اسیری سے چند اشعار سنائے تو مفتی صاحب ایک سنجیدہ شخصیت جذبے میں آکر ٹیک لگائے ہوئے تکیہ کو سامنے رکھا اور بے اختیار ہاتھوں سے ضربیں دیکر واہ واہ کہہ کر داد دیتے رہے۔

آپکی درویشانہ مجلس میں سب کیلئے دروازہ کھلا رہتا اور آپکا کلام سن کر غمزدہ اور تھکے ہوئے اپنی تھکاوٹ کو ختم کرتا کیونکہ آپکی شاعرانہ کلام معاشرتی زندگی کے کئی امور کا مجموعہ تھی مثلاً، زندگی کے درد و غم سے انباہ، طبع تسلی، غربت و افلاس، مظلوم کی آہ سے ڈرنا، فراقِ یار پر رونا، حقیقت زندگی و موت کا بیان، سچ گوئی و راست بازی کا سبق، اللہ کی کبریائی، رسول ﷺ و صحابہؓ کی عظمت، بچوں پر شفقت اور بڑوں کی ادب، امید سحر، احساس زندگانی، عشق کے رموز و اسرار اور شادی پر سرور کا اظہار وغیرہ۔

آپ چونکہ فی البدیع شاعر تھے اور یہ کمال آپ بعض مواقع پر دکھاتے بھی جس میں آپ اوروں پر بازی لیکر دادِ تحسین وصول کر لیتے جیسا کہ آپ کے متعلق کسی نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ آپ کو خوشحال خان خٹک کے مزار پر ادبی تقریب کے سلسلے میں مدعو کیا گیا اور وہیں آپ کو ایک طرحہ دی گئی اور ساتھ ہی بارش بھی شروع ہوگئی تھی طرحہ مصرعہ یہ تھا۔ ''اس لئے تصویر جاناں میں نے کھنچوائی نہیں''

تو آپ نے اس پر زبردست نظم عین موقع میں تیار کر کے سنائی اور سب کو منوایا وہ اشعار آپ کے اردو کلام ''نالۂ زار'' میں موجود ہے۔

؎ فانی کی فنا میں یادوں نے بندہ کو ستایا دردوں نے

ہائے! پورا ایک سال گزرا یادوں میں ایک اور یاد۔ ماہ مارچ ۲۰۱۳ء میں شام کے وقت بارش و بادل کے موسم میں جب بندہ دارالعلوم سے گھر جانیوالا تھا اور معمول کے مطابق آپ سے اجازت مانگنے آپ کے پاس گیا تو آپ نے بندہ کو اپنے ساتھ کاکا صاحب روانہ کیا۔ ہم ان صحرائی راستے پر چلے جسکے دونوں طرف کیکر و گھاس وغیرہ پر بہار کا سبزہ زار بنا تھا اور بارش بھی خوب ہوئی تو بندہ نے آپکو کہا کہ جی! یہ موسم آپ سے کچھ سنانے کا تقاضا کرتی ہے تو آپ نے پشتو میں ایک غمگین غزل جب شروع کیا تو بندہ نے کہا کہ جی! ترنم کے ساتھ تو آپ نے ترنم کیساتھ یہ غزل سنائی۔

پاتی لا زاڑہ دی اوس پی نور میلمانہ شوی دی ستا دردونہ بیاد زڑہ پہ کور میلمانہ شوی دی

دیگر شعراء سے وابستگی: باوجود اسکے کہ! آپ کا مشغلۂ اصل درس و تدریس تھا لیکن دائرہ ادب میں مختلف اللسان شعراء سے آپکی وابستگی تھی جس میں بقول آپ علامہ محمد اقبال آپکے پسندیدہ شخصیت تھی۔ خود بندہ کو اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ کسی نے مجھے کہا آپ کس طرح شاعر بنے اور آپکی پسندیدہ شخصیت اس باب میں کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ! شاعری تو احساسات کا نام ہے میں ازلی شاعر ہوں اور میری پسندیدہ شخصیت اقبال ہے اور میں اس پر عاشق ہوں۔

آپ جب کسی شاعر کا کلام سناتے تو اپنی اعضاء و جوارح سے ایک عجیب انداز میں سامعین کے سامنے اس شاعر کی تصویر کھینچتے گویا کہ وہ شاعر خود سامنے بیٹھا ہوا اپنا کلام سناتے ہیں یعنی میر درد کا کلام سنانے میں آپ میر درد تھے غالب کا کلام سنانے میں آپ غالب تھے اسی طرح علامہ محمد اقبال، فیض احمد فیض، ساغر صدیقی، احمد فراز، طاہر کلاچوی، مولانا روم، عبدالرحمٰن بابا، پروین شاکر وغیرہ کے اشعار سے ان کے حالات' احساسات و کیفیات کی یاد تازہ کر دیتے۔

ان تمام شعراء کے کلاموں کو جدا جدا طرز و رنگ دیکر آپ کبھی ہاتھ پھیلاتے، کبھی سر ہلاتے اور کبھی ہونٹوں اور آنکھوں پر رونے کا اظہار فرما کر آبدیدہ ہو جاتے۔

بالخصوص علامہ اقبالؒ کے کلام ''پیر رومی مرید ہندی'' اور احمد فراز کی کلام جس میں پردیسی اپنے ایک اہم وطن کو دیکھتے ہوئے اس سے پوچھتا ہے جسکا ابتدائی شعر یہ ہے؟

وہ دیس سے آنیوالے بتا وہ دیس ہمارا کیسا ہے سب دوست ہمیں پیارے ہیں مگر وہ جان سے پیارا کیسا ہے

اس موقع پر فانی صاحبؒ رو پڑتے۔

رقت قلبی میں آپ نوح ثانی تھے ایک غم کی کہانی، زندان کا واقعہ، شہداء کی کرامات سنانے سے آپ پر رونے کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

شیخ نصیب خانؒ کی شب شہادت کے موقع پر آپ دہاڑے مار مار کر روئے اور رات گئی جب سحری کے وقت بندہ آپکے پاس آیا تو آپ نے اپنے سخت بخار کی یہی وجہ غم بتائی۔

تواضع: ہر ایک کے ساتھ بے تکلفی آپکی تواضع کی نشانی و ترجمانی تھی اور یہ کہ آپ نے تمام زندگی مہمانان خدا اور یاران مصطفیٰ طلباء کرام کے مابین مدرسے میں ایک چٹائی پر گزاری، مزین میزوں کی بجائے زمین پر دوست واحباب کیساتھ دسترخوان پر کھانا پسند فرماتے آپکی بیٹھک فقط کتابوں کی الماری پر مزین ہے۔

ایک دن آپکے مجلسی دوست وتلمیذ خاص قاری رحیم گل نے دوپہر کے کھانے کا بندوبست دارالعلوم میں آپکے کمرہ نمبر ۳۵ میں کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں پر جو مزہ آیا وہ تاج محل ہوٹل میں بھی نہیں۔

بندہ کیساتھ جب گاؤں ارمڑ جایا کرتے تو دوست کی طرح آزادانہ اور بے تکلفی سے روانہ ہو جاتے اور تحدیث بالنعمت بندہ کے دارالضیوف کو اپنی جگہ سمجھتے اور فانی صاحب اسکی وجہ بھی بتاتے کہ پرائی جگہ پر مجھے نیند وغیرہ نہیں آتی لیکن حاجی صاحب آپکے ہاں مجھے بڑی سہولت ہوتی ہے، آپکی ہر ہر یاد بھی بندہ کو تڑپاتی ہے جب موسم بہار کے موقع پر آپ بندہ کے ساتھ ارمڑ کے صحراؤں میں گھومتے پھرتے اشعار سناتے۔

تصانیف میں آپکے تقریباً (نصابی کتب کی شرحیں اور شاعرانہ) کی ذخیرہ موجود ہے۔علاوہ ازیں سینکڑوں تقاریظ، سہرے، مرثیے، کتبے آپ کے رشحات قلم ہیں۔

پھر اتنی ہمت کہ! بستر علالت پر قلم و کتاب سے رشتہ جوڑے رکھا اتنی محنت وذوق کی مثال زمانہ قریب میں نہیں ملتی۔

تصنیف وتحریر کی یہ گھٹی جو آپکو اپنے استاد ومربی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے دی تھی تو ابھی تک غنودگی کے عالم میں بھی وہ آثار دکھاتے رہے اور یقیناً آپکی یہ فن تصنیف فیض احمد فیض کے ان الفاظ کی مصداق ہے جو بندہ ہسپتال میں آپ کے ارشاد پر املاء کئے۔فانی صاحب اس وقت موج میں آکر یہ اشعار سنائے۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پر گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

تو آخری دم تک آپ نے اپنی تصنیفی خدمات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہسپتال میں بھی ایک کتاب ''داستان دلکشا اور زمان ابتلاء'' لکھ کر اپنے مربی (مولانا سمیع الحق) صاحب کو فون پر بات چیت کے دوران

فرمایا کہ! آپکے مطالعہ کے لئے ایک نیا علمی، ادبی، سوانحی ساتھی تخلیق کیا ہے۔

تو آپ نے اپنے استاد (مولانا سمیع الحق صاحب) پر ثابت کیا کہ! میں تو چلنے والا ہوں لیکن ایک یادگار ''داستان دلکشا درزمان ابتلاء'' چھوڑ کر آپکی تربیت تصنیف پر آخری مہر لگاتا ہوں۔

مزاج گرامی: آپکی طبیعت میں تحمل، نرمی اور خوش اخلاقی کے اثرات موجود تھیں کسی سے ملنے پر دونوں ہاتھ ملا کر اسکی خیریت کے علاوہ گاؤں اور والدین کے بارے میں بھی خیریت پوچھ لیتے۔

بندہ کے ساتھ معمول یہ تھا کہ گاؤں سے روانہ ہوکر راستے میں آپکو فون ضرور کرتا جب بھول جاتا تو پھر آپ گپ شپ میں شکوہ کرتے پھر واپسی میں بندہ آپ سے اجازت لیتا۔ جب بھول جاتا تو فون پر الوداع کہتے۔

اکثر اوقات آپکے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں خوشی کی لہر تھی۔ خوش طبعی اور لطیفہ بازی کے دوران بندہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر تالی بجا لیتے اور ہنس کر ماحول کو سرور بخشتے۔ آپ کا آخری لطیفہ جو ڈاکٹر سید نے کڈنی سنٹر میں آپ کے پاؤں پر پٹی باندھتے تو آپ نے فرمایا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ نے تو بار بار میرے پاؤں کی دستار بندی کی' آپ دارالعلوم میں داخلہ لیں کہ میں اس کے بدلے آپ کے سر کی دستار بندی کروں''

مسکراہٹ کی لکیریں جس نے تصویروں کو دیں
اس مصور کی جبیں پر ہر شکن مضروب ہے

لیکن جب غضب وجلال میں آجاتے تو پھر کسی کو آپکے سامنے آنکھیں جھپکنے کی طاقت نہ رہتی اور یہ الفاظ پشتو میں استعمال کرتے۔ پریگدہ سڑیہ زور ور ئیے

بندہ جب کسی کے بارے میں لاپرواہی کا ذکر کرتے تو آپ فرماتے یاسڑیہ دومرہ غم ئے مہء کوہ

جب بندہ سفر کیلئے گاڑی کا بندوبست کرنے پر ذرا ٹھہر جاتے تو آپ بار بار فون کرتے اور انتظار آپ پر بہت دشوار گزر جاتی۔

تو اکثر میں دوڑتے ہوئے آپکے پاس کوئی تور یہ وغیرہ پیش کرلیتا تو آپ چشم پوشی فرماتے۔ بندہ اگر آپکی عادات ومناقب لکھنے کی کوشش کرے تو صفحات تو کیا کتابیں تصنیف ہوسکتی ہیں لیکن بندہ کے قلم اور ہاتھ میں اتنی سکت نہیں کہ مزید لکھے اللہ آپ کو اعلیٰ جنتوں میں جگہ نصیب فرمائے اور سوگواران کو صبر دے۔ امین

اللھم اغفرہ ورحمہ' وجعل الجنة مثواہ

☆ ☆ ☆